© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ممکن ہے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک بعض سطحی بین افراد کی نظر میں قومی اتحاد کی موجودہ تحریک اقتدار کی رسہ کشی یا محض کرسی کا تنازعہ ہو، لیکن جو لوگ حالات کا دقتِ نظر سے مطالعہ کرنے کے عادی ہیں، وہ اِس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ یہ کرسی کا مسئلہ نہیں بلکہ عوام کے اِس ناقابلِ شکست عزم اور پختہ ارادے کا اظہار ہے کہ اب وہ اِس ملک میں کسی طاغوتی طاقت کو ظالمانہ اور جابرانہ کارروائیوں کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اِس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ پوری دنیا پر یہ حقیقت واضح کر دی جائے اور اِس ملک کے حکمرانوں کو جھنجھوڑ کر بتا دیا جائے کہ اِس سرزمین میں اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نظام کی عملداری قائم نہیں ہو سکتی اور اسلام بھی وہ جو مسلمانوں کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے توسط سے ملا ہے اور جس کی جھلک خلفائے راشدینؓ کے بابرکت دَور میں دیکھی جا سکتی ہے۔

برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں کروڑوں افراد اب بھی ایسے موجود ہیں جنہوں نے پاکستان کو معرضِ وجود میں آتے دیکھا۔ وہ اِس بات کے چشم دید گواہ ہیں کہ اِس ملک کے قیام کی غرض بجز اِس کے اور کوئی نہ تھی کہ اِسے اسلام کی ایک تجربہ گاہ بنایا جائے اور دینِ حق نے نوعِ انسانی کو حکومت و مملکت، معاشرت و معیشت اور اخلاق و تہذیب کے جو اُصول دیے ہیں اُنہیں اِس خطۂ پاک میں عملاً نافذ کر کے دنیا کو یہ دکھایا جائے کہ یہ اصول کس قدر صحیح، کس قدر متوازن اور کس قدر قابلِ عمل اور حیات آفرین ہیں اور اُنہیں اپنانے سے نوعِ انسانی کے اندر پھیلے ہوئے فسادات کس آسانی کے ساتھ دُور ہو سکتے ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظلم و استبداد کی چکی میں پِسا ہوا یہ کرۂ ارضی کس تیزی کے ساتھ امن و انصاف کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

جس طرح قیامِ پاکستان کا مقصد سب لوگوں پر پوری طرح واضح ہے، اِسی طرح یہ حقیقت بھی سب پر عیاں ہے کہ مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے جمہوری راستہ ہی سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اسلام نے فرد کی آزادی کا جس حد تک احترام کیا ہے، اُمورِ مملکت چلانے میں اُسے جس طرح شریک بنایا ہے اور اُس کے حقوق کی جس انداز سے پاسبانی کی ہے، اُس نے جمہوری روایات کو مسلم قوم کے رگ و پے میں پوری طرح راسخ کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے طویل دَورِ حکومت میں اگر کسی حکمران نے اپنی حدود سے تجاوز کر کے عوام کے حقوق پامال کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف وقت کے علمائے ربّانی بلکہ عوام نے بھی ایسی پامردی اور ہمّت سے اُس کا مقابلہ کیا کہ اُسے اپنا طرزِ عمل تبدیل کرنا پڑا۔ پھر انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں نے اپنے حقوق کے تحفّظ کے لیے جو جد و جہد کی، اُس کا نہج کم و بیش جمہوری ہی رہا۔ خصوصاً تحریکِ پاکستان کا مزاج تو سرتاپا جمہوری تھا۔ اِس لیے اگر مسلمان ملوکیت کے زیرِ سایہ ایک طویل عرصہ گزارنے کی وجہ سے اپنی جمہوری روایات سے کسی حد تک ناآشنا ہو بھی چکے تھے تو انگریز کے خلاف جمہوری انداز میں کامیاب جدّ و جہد کی وجہ سے وہ اُن روایات سے از سرِ نو پوری طرح باخبر ہو گئے اور اُنھوں نے اِنھیں اپنی متاعِ گم گشتہ سمجھتے ہوئے بڑے اشتیاق کے ساتھ سینے سے لگا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے ساتھ قوم اِس بات پر پوری طرح متحد و متفق تھی کہ پاکستان اسلام کے نظامِ اجتماعی کا ترجمان ہو گا اور اِس میں سارے معاملات جمہوریت کے معروف طریقوں سے طے کیے جائیں گے۔

یہ پاکستانی قوم کا المناک سانحہ ہے کہ اِس ملک کے قیام کے بعد جس طبقے کے ہاتھ میں اِس کی زمامِ کار آئی، وہ مغربی تہذیب و تمدّن کا دلدادہ ہونے کی وجہ سے اسلام سے کَد رکھتا تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر یہاں اسلام نافذ ہوا تو اُس کی کبریائی قائم نہ رہ سکے گی، اِس لیے اُس نے آغاز ہی سے اسلام کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ ایک طرف اُس نے دینِ حق کے بارے میں پڑھے لکھے طبقے کے اندر بدگمانیاں پھیلانے کا وسیع سلسلہ شروع کیا اور اِس ضمن میں ہر اُس گمراہی کی پوری ڈھٹائی کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرپرستی کی جس سے اسلام کی قوت کمزور ہو، دوسری طرف ملک کے اندر ایسے فشاری گروہ (PRESSURE GROUPS) قائم کیے جو مختلف طریقوں سے اور مختلف سطحوں پر اثر انداز ہو کر معاشرہ کو اسلام سے دور لے جائیں۔ اِس اسلام دشمن طبقہ نے جتنی قوت سے اسلام کا راستہ روکنے کی کوشش کی، اس سے کہیں زیادہ قوت کے ساتھ جمہوریت کو ناکام بنانے اور فسطائیت کا تسلط قائم کرنے کے لیے سرگرمی دکھائی۔ اُسے اِس امر کا پوری طرح احساس تھا کہ اگر اِس ملک میں جمہوریت کی جڑیں مضبوط ہو گئیں تو یہاں اسلام کے سوا کسی دوسرے نظام کو پنپنے کا موقع نہیں مل سکے گا، کیونکہ اِس ملک کی عظیم اکثریت اِس بات پر پختہ یقین رکھتی ہے کہ اسلامی نظام ہی اُس کے سارے دکھوں کا مداوا کر سکتا ہے۔ اکثریت کے اِس اندازِ فکر کے ساتھ ائمۃ الکفر کی سیادت آخر کس طرح قائم رہ سکتی ہے؟ چنانچہ اِس ملک کے سارے بے دین عناصر نے اسلام کی مخالفت کے ساتھ ساتھ جمہوریت کی بیخ کنی کو بھی نہایت ضروری سمجھا اور ملک کے اندر فسطائیت کی راہ ہموار کرنے میں جو کردار وہ ادا کر سکتے تھے اُسے پوری طرح ادا کیا۔ اُنہوں نے ہر آمر کی پوری قوت سے تائید کی اور اس نے انسانی حقوق غصب کرنے کے لیے جو شرمناک کھیل کھیلا اور جس نسبت سے عدل و انصاف کی حدود کو پامال کیا، اُسی نسبت سے اسلام کے اِن بدخواہوں نے اُس کی حوصلہ افزائی کی۔

اگر کوئی شخص پاکستان کی تیس سالہ تاریخ کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہے تو وہ بڑی آسانی سے یوں کہہ سکتا ہے کہ یہ بے دین اور آمرانہ مزاج مگر صاحب اختیار اقلیت اور اسلامی نظام کے قیام کی آرزومند مگر بے اختیار عظیم اکثریت کے درمیان طویل کشمکش کی ایک دلفگار داستان ہے۔ یہ اقلیت چونکہ کسی جائز اور معقول طریقے سے اکثریت پر مسلط نہیں رہ سکتی تھی لہٰذا اقتدار پر قابض رہنے کے لیے اُسے وہ سارے ظالمانہ ہتھکنڈے بے دریغ استعمال کرنے پڑے جن کی مدد سے اُس کا عوام کی گردنوں پر مدت تک اُن کی خواہش کے علی الرغم مسلط رہنا ممکن ہو سکتا تھا۔ اِس بنا پر اگر پاکستان کی تاریخ کو وحشتناک ظلم، انسانی ضمیر کی موت، عوام کی بے بسی اور حاکمانہ استبداد کی روح فرسا سرگذشت کہا جائے تو اس میں مبالغہ نہ ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس وقت پاکستان میں مستبد حکومت، جو بے دین اقلیت کی ترجمان ہے، کے خلاف قومی اتحاد کی جو زبردست تحریک چل رہی ہے اور جس میں عوام نے بے مثال جرأت، پامردی، ایثار اور یکجہتی کا مظاہرہ کیا ہے، اُس کا محرک صرف مارچ ۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں دھاندلیوں کی شکایت نہیں، بلکہ اُس کا محرک ایک گہرا اضطراب ہے جس نے گذشتہ تیس سال کی مسلسل ناانصافیوں، زبردست آزاریوں اور محرومیوں کے بطن سے جنم لیا ہے۔ سخت غلطی پر ہیں وہ لوگ جو اِس فقید المثال عوامی تحریک کو محض کرسی کا جھگڑا سمجھتے ہوئے اِس کی غیر معمولی اہمیت اور اِس کے وسیع اور گہرے اثرات کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ حالیہ انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلیوں نے لوگوں کے اندر خوفناک ہیجان پیدا کر دیا، جس سے یہ لاوا بالآخر ایک عوامی تحریک کی صورت میں برنکلا۔ لیکن یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ اِس ہیجان میں غیر معمولی شدت محض انتخابات میں ناانصافیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی عوام برسوں سے ظلم و ستم کی چکی میں پِس رہے تھے، اُن کی زندگی ایک کربناک عذاب کی صورت اختیار کر چکی تھی جس میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ اِس اعصاب شکن صورتِ حال سے نجات حاصل کرنے کے شدید آرزومند تھے۔ ان اندوہناک حالات میں انہیں مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں اُمید کی ایک کرن دکھائی دی۔ وہ اِس آس پر جینے لگے کہ انہیں ووٹ کے ذریعہ پُرامن طریقے سے اِس عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک نادر موقع ہاتھ لگا ہے جس سے انہیں بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ چنانچہ اُنہوں نے پاکستان قومی اتحاد کی صورت میں اپنی ساری سیاسی قوت مجتمع کر کے ایک ایسی قیادت کو برسرِ اقتدار لانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں جو اسلام پر گہرا اور پختہ یقین رکھتی ہو اور دینی نظام کے قیام کی خود بھی دل و جان سے متمنی ہو اور اُسے اپنی قوم اور پوری انسانیت کی فلاح کی واحد ضمانت سمجھتی ہو۔ پھر وہ اقتدار کو اپنی کوئی مستقل جاگیر بھی تصور نہ کرے اور رائے عامہ کے احترام میں اُس سے بلاچون و چرا الگ ہونے پر بھی آمادہ ہو تاکہ مسلم قوم کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں ظالم آمروں سے چھٹکارا حاصل کرنے ہی میں ضائع نہ ہوتی رہیں، بلکہ انہیں تعمیر و ترقی کے مختلف میدانوں میں استعمال کیا جا سکے۔

اِن انتخابات میں پاکستانی عوام کو اپنی ملی آرزوئیں پروان چڑھتی نظر آتی تھیں۔ انہیں اِس بات کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پختہ یقین تھا کہ وہ اگر سلیقے اور انصاف کے ساتھ اِن فیصلہ کُن مراحل سے گذر گئے تو تیس سال کی طویل مدّت تک فکر و عمل کی ظلمتوں میں بھٹکنے کے بعد اُن کی زندگی اسلام سے منوّر ہونا شروع ہو جائے گی اور وہ مقصد و منہاج کے معاملے میں یکسو ہو کر اُس نقطہ پہ آجائیں گے جہاں اسلام اور جمہوریت سے انحراف کا آغاز ہوا تھا۔ اِس بنا پہ اہلِ پاکستان اِس مرتبہ انتخابات کے معاملے میں جس قدر سنجیدہ تھے اِس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے۔ وہ خود غرض اور آبرو باختہ حکمرانوں، بگڑے ہوئے فوجی آمروں اور عوام کے سطحی جذبات سے کھیلنے والے عوام دشمن قائدین کی چیرہ دستیوں سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ لہٰذا وہ گذشتہ تیس سالوں کے تلخ تجربات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی قسمت کے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ کرنے کے لیے بے تاب تھے اور اِس بات کے شدید آرزومند تھے کہ اب کے وہ ملک کی زمام کار نیک، ایماندار، خدا ترس اور قوم کے حقیقی بہی خواہوں کے ہاتھ میں منتقل کریں گے تاکہ وہ اُن وعدوں کی تکمیل کر سکیں جو ہندوستان کے مسلمانوں نے تشکیل پاکستان کے وقت خدا اور خلق کے سامنے کیے تھے۔

آرزو جب شدید ہو اور اُس کے پورا ہونے کے امکانات بھی قوی ہوں تو اس صورت میں اگر کوئی فرد یا گروہ اُس کا خون کر دے تو اُس کے خلاف انسان کے دل و دماغ میں نفرت و حقارت کا زبردست طوفان اُٹھتا ہے۔ یہی صورتِ حال گذشتہ انتخابات میں پیش آئی۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ ملک کی انتظامیہ نے ایک ہمہ مقتدر ذات کے اشارۂ ابرو پہ عوامی تمناؤں اور آرزوؤں کا خون کر دیا ہے تو انہوں نے اِس المیّہ کو اُسی فرطِ غم سے محسوس کیا جس سے ایک انسان اپنے لختِ جگر کے قتلِ ناحق کو محسوس کرتا ہے۔ فرد کا قتل تو ایک خاندان کی بدنصیبی ہوتی ہے، اِس لیے ایک خاندان کے افراد ہی اُس پہ آہ و زاری کرتے ہیں، لیکن جب کسی قوم کی اجتماعی آرزوؤں اور تمناؤں کا گلا گھونٹ دیا جائے تو پورے مُلک میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور اُس حزنیہ پہ ہر فرد نوحہ کُناں ہوتا ہے۔ اِس زاویے سے اگر دیکھا جائے تو قومی اتحاد کی موجودہ تحریک ایک جابر فرمانروا کے ہاتھوں ملّی اُمنگوں کی حسرتناک موت پہ اہلِ پاکستان کی اجتماعی نوحہ خوانی ہے۔

کہتے ہیں قُقنُس جب جل کر راکھ ہو جاتا ہے تو اُس راکھ سے ایک نیا قُقنُس جنم لیتا ہے۔ اِسی طرح آرزوؤں کے مدفن سے بعض اوقات حیات آفرین اُمیدوں کے شگوفے پھوٹتے ہیں۔ مارچ ۱۹۷۷ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے انتخابات میں اگرچہ عوامی اُمنگوں کا بے دریغ خون کیا گیا۔ لیکن اُسی خاک و خون سے ایسے تازہ ولولوں نے جنم لیا جنہوں نے قوم کے اندر زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دی اور وہ نئے عزائم اور ارادوں کے ساتھ سرگرمِ عمل ہوئی، جس کی پہلی علامت یہ ہے کہ معاشرے میں فکری اور جذباتی ہم آہنگی کے آثار ہویدا ہونے لگے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ واضح طور پہ دو گروہوں میں تقسیم ہوتا جا رہا ہے، ایک اسلام سے مخلصانہ وابستگی رکھنے والا مضبوط گروہ، اور دوسرا اسلام کے خلاف سینوں میں کدورت پالنے والا بد اندیش افراد کا ایک مختصر سا ٹولہ۔ موجودہ حکومت سے پہلے اس ملک میں جتنی حکومتیں قائم ہوئیں انہوں نے اسلام کے بارے میں بظاہر خاموش تماشائی کا سا طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا جس کی وجہ سے اس معاشرے میں منافقین کو پھلنے پھولنے کے بڑے مواقع میسر ہوئے اور یہ مارِ آستیں کی طرح بڑی خاموشی کے ساتھ اِس غریب معاشرے کا لہو بھی پیتے رہے اور اس کے اندر اپنا زہر بھی پھیلاتے رہے۔ بھٹو صاحب کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ملک کے اندر ایک ایسی معاشرتی فضا قائم ہو گئی جس میں آستین کے اِن سانپوں کو اِس بات کی جرأت ہوئی کہ وہ چھُپ کر نہیں بلکہ آستینوں سے باہر آ کر اِس قوم کے جسدِ اجتماعی میں اپنا زہر سرایت کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اُنہوں نے اِن سازگار حالات سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر اپنی یہ ناپاک حرکت اِس زور و شور کے ساتھ شروع کی کہ پورا معاشرہ ان کی زہرناکیوں سے تلملا اُٹھا اور عوام اپنے دشمنوں کو اچھی طرح سے پہچاننے لگے۔ انتخابات کے موقع پہ لوگوں کو اِس بات کا اندازہ ہو گیا کہ یہ اژدھے کس کس طبقے میں پائے جاتے ہیں اور وہاں اِنہیں کس قدر قوت حاصل ہے اور یہ کس جانب سے اور کس شدت کے ساتھ مختلف محاذوں سے حملہ کرتے ہیں۔

قومی اتحاد کی حالیہ تحریک کی وجہ سے پورے معاشرے میں جو زبردست ہلچل پیدا ہوئی ہے اس نے ملت کے بہی خواہوں اور بدخواہوں کے درمیان اِس حد تک واضح امتیاز پیدا کر دیا ہے کہ اب اُنہیں پہچاننے میں کسی فرد کو کوئی دقت پیش نہیں آسکتی۔ اُن کی علامات نہایت واضح ہیں اور ہر شخص اُنہیں دیکھ کر اِس امر کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ مخالفِ اسلام اور ملت دشمن افراد کس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن کا طریقِ واردات کیا ہے؟ ہم یہاں اُن کی چند نمایاں علامات بیان کریں گے۔

اُن کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ اسلام کے معاملے میں کبھی مخلص نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ اُس کے خلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تدبیریں سوچتے رہتے ہیں۔ اگر کسی مجبوری کے عالم میں اُنہیں اسلام کے متعلق کوئی کلمۂ خیر کہنا ہی پڑے تو اُسے اِس انداز سے کہتے ہیں جیسے اُن پر کوئی ناروا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ پھر یہ لوگ اُس کلمۂ خیر کو کسی ایسی غلط توجیہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ کلمۂ حق اپنے مضمرات کے اعتبار سے کلمۂ باطل معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا استہزا اور اسلامی روایات پر طنز و تعریض اِن لوگوں کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے، خصوصاً مذہبی رہنماؤں کو ہدفِ تنقید بنانے اور اس طرح اسلام کے خلاف اپنے دلوں میں چھپے ہوئے کینہ کو ظاہر کرنے میں وہ بڑی لذت محسوس کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے مذہبی فرقوں میں علمی نوعیت کے جو اختلافات پائے جاتے ہیں اُنہیں بھیانک صورت میں پیش کرنے اور اُن فرقوں کے درمیان منافرت پھیلانے میں ملت کے اِن بدخواہوں کو بڑا لطف آتا ہے۔ پھر اُمت کی عظیم اکثریت نے جن مذہبی گروہوں پر ضلالت اور گمراہی کی مہر ثبت کردی ہے یا جنہیں اجماعِ اُمت کے مطابق دائرہ اِسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے، اُن کے موقف کی حمایت اور پوری اُمت کی مخالفت اسلام کے اِن دشمنوں کے پسندیدہ مشاغل ہیں۔

اِن منافقین کے تحت الشعور میں چونکہ یہ چبھتا ہوا احساس موجود رہتا ہے کہ اسلام کے خلاف ان کا معاندانہ اندازِ فکر اور منافقانہ طرزِ عمل ملت کو کسی اعتبار سے قابلِ قبول نہیں اور اُس کے اجتماعی ضمیر سے مغائرت رکھتا ہے، اِس لیے وہ مسلم معاشرے میں رہتے ہوئے اُس سے بُعد محسوس کرتے ہیں۔ اپنے ہی بھائی بندوں سے یہ بیگانگی اُن کے اندر احساسِ کہتری پیدا کرتی ہے جس کی تسکین کے لیے ان کے پاس ایک ہی راستہ ہے کہ پہلے تو حکومت کی مدح سرائی کرکے اُس کا تحفظ حاصل کیا جائے، پھر اُس کے تعاون سے مسلمانوں کے ملی جذبات کو چرکے لگائے جائیں۔ مسلم معاشرے سے اُنہیں کس قدر نفرت ہے، اُس کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ہر ظالم اور جابر حکومت کی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حمایت کی اور اُس سے بے شمار دنیوی مفادات حاصل کیے اور جابر فرمانرواؤں نے جب بھی عوام کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا تو مظلوموں اور ستم زدوں کے اِن جھوٹے بہی خواہوں نے حکومت کا ہاتھ روکنے کے بجائے آفت زدوں ہی کو اُلٹا موردِ الزام ٹھہرایا۔ مفاد پرستی نے اِس ناپاک گروہ کو اِس حد تک جذبۂ عدل سے بیگانہ کردیا ہے کہ اُنہیں ویٹنام اور شکاگو کے مظلوموں کی مظلومیت پر تو ترس آجاتا ہے اور ان کے دل میں ظالموں کے خلاف نفرت کے (باقی بر صفحہ ۴۸)

© rasailojaraid.com